یہ قصور کس کا ہے......؟

رانا رضوان علی باسط (جامعہ سلفیہ)

حضرت انسان کی تخلیق اللہ رب العزت نے اپنے ہاتھوں سے فرمائی۔ ''خلقت بیدی'' جب انسانیت کے جدامجد کو بنالیا تو اس میں اپنی روح پھونکی تو یہ ایک چلتا پھرتا' جاندار اور شاندار مخلوق کی شکل میں سامنے آیا۔

حضرت آدم کی پیٹھ سے تمام انسانیت کی روحیں پیدا کی گئیں۔ پھر اس خاکی وجود کی پسلی سے ایک اور خاکی وجود والی کو پیدا کیا گیا۔ سب جانتے ہیں کہ انسان کی پسلیاں ٹیڑھی ہوتی ہیں' تو انسانیت کے جدامجد کی پسلیاں بھی ٹیڑھی ہی ہونگی۔ لہٰذا عورت کی پیدائش ہی جب ٹیڑھی چیز سے ہوئی ہے تو اس سے بالکل سیدھی رہنے کا مطالبہ کیسے روارست۔

بہر حال اللہ رب العزت نے اپنے قانون تخلیق کے تحت حضرت آدم کو مونث عنایت کر کے جوڑا پورا کر دیا۔ تب سے بنی نوع انسان کی پیدائش و افزائش بھرپور انداز سے شروع ہوئی۔ اس کائنات میں دوسری مخلوق کے ساتھ ساتھ انسانی آبادی تسلسل سے بڑھتی رہی۔ حضرت آدم وحوا کی اولاد پھر ان کی اولاد کی اولاد پھر اولاد کی اولاد کی اولاد جیسے ایک تنے سے مختلف شاخیں نکلیں' پھر ہر شاخ سے متعدد شاخیں نکلیں۔ یوں ہی انسانوں کی آبادی میں اضافہ ہوا اور اولاد آدم مختلف جگہوں پر جا کر آباد ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت نوح (آدم ثانی) کا دور آیا۔ سارے انسانوں کو سیلاب میں غرق کر دیا گیا' وہی چند لوگ بچے جو کشتی میں سوار ہوئے۔ یہاں سے دوبارہ انسانیت کی آبادی یکسر کم ہونے کے بعد بڑھنی شروع ہوئی اور آج ساری دنیا ایک گاؤں کی شکل اختیار کر گئی ہے۔

اب اس دنیا میں بسنے والے مختلف لوگوں کی طبائع مختلف ہیں۔ کوئی رحمدل ہے' تو کوئی سنگدل' کوئی میانہ رو ہے تو کوئی شدت پسند' کوئی مہذب ہے تو کوئی غیر مہذب اور اجڈ' کوئی کسی قانون یا مذہب کا تابع ہے' تو کوئی خودرو گھاس کی طرح آزاد منش۔ اس جہان رنگ و بو میں بسنے والے لوگوں اور خاندانوں کے اپنے منفرد طریقے اور روایتیں ہوتی ہیں۔

انہیں سے ایک روایت کا تذکرہ میں کرنے چلا ہوں کہ ہمارے اس دیس میں بسنے والے بعض خاندانوں میں تقسیم کا رواج ہوتا ہے۔ جب کسی کے گھر کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس گھر کا وڈیرا اس بچے کے متعلق اپنی عمر کے تجربے اور اٹکل پچو سے رائے قائم کرتا ہے کہ بچہ نہایت سمجھدار ہے' بچہ سخت طبیعت کا مالک ہے' بچہ اپنے وطن کی خدمت کرے گا' بچہ دین کا خادم بنے گا' یہ بچہ والدین کا خیر خواہ ہوگا' یہ بچہ بہادر ہے' یہ بزدل ہے' یہ ہوشیار اور تیز طرار ہے' یہ دوسروں کے کام آئے گا یا یہ مطلب پرست نکلے گا۔

الغرض آراء قائم کی جاتی ہیں۔ اس عمل کے بعد میں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب بچے زیادہ ہو جاتے ہیں تو ان میں ایک طبقاتی تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک طبقہ والدین کی آنکھوں کا تارا ہوتا ہے' کیونکہ ان کے متعلق رائے قائم کی گئی کہ یہ اچھے ہیں اور دوسرا طبقہ اس کے برعکس کیونکہ ان کو نکھٹو' بزدل اور مطلب پرست ٹھہرا دیا گیا۔

اب یہ قائم شدہ رائے کہاں تک درست ہوتی ہے' یہ الگ مسئلہ ہے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ مستقبل کے متعلق درست خبریں دینا اور فیصلے کرنا یہ صرف اللہ کے شایان شان ہے کیونکہ اس کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔

اب اس کام کے فائدے کیا ہیں۔ یہ ایسا کرنے والا ہی بتلا سکتا ہے' لیکن اس کے نقصانات جو ہمارے معاشرے میں نمایاں ہو رہے ہیں' وہ بہت زیادہ ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ بچے کے متعلق رائے قائم کر کے اس سے اسی طرح کی امید کی جاتی ہے' نہ کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قابل' محنتی اور دانشمند بنائے۔ تو جیسی امید ویسی عطاء۔ دوسرا یہ کہ جب بچہ ہوش سنبھالتا ہے تو اس کو بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ میرے متعلق یہ رائے قائم کی گئی ہے۔

محترم قارئین! یہ بچپن سے ہی بچے کے مستقبل کا اندازہ لگانا سراسر غلط ہے' کیونکہ نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ بچے تو فطرت پہ پیدا ہوتے ہیں۔ اب ان کے والدین کے سر پہ ہے کہ وہ ان کی کیسی تربیت کرتے ہیں۔ جب والدین نے کسی بچے کے متعلق یہ رائے قائم کر کے اس کے ذہن میں یہی بات ڈالی کہ تم نکھٹو' برے اخلاق کے حامل ہو' مطلب پرست ہو' والدین کے کام نہیں آؤ گے۔ تو جناب قارئین کرام! بتلائیے اب بچہ کل کو کیا بنے گا....؟ اس سے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچے گی' وہ غم و رنج اور سوچ و بچار کی وادیوں میں حیران و پریشان رہے گا۔

اگر اس کے دل میں والدین' معاشرے اور بہن بھائیوں کے متعلق اچھے اور نیک جذبات تھے بھی تو وہ غصے' غم' پریشانی اور انتقام کی آگ میں ان جذبات کو جلا کر ان کی راکھ کو بھی واپس نہ آنے والی ہواؤں میں اڑا دے گا۔ کبھی واپس نہ پلٹنے والی ندیوں میں بہا دے گا اور پھر وہ عملاً معاشرے اور والدین کو ان کی قائم کردہ آراء کے مطابق ہی بن کر دکھائے گا۔ ایسا بچہ والدین کے متعلق دل میں غصہ بٹھا لیتا ہے اور کہیں دور نکل جانے کی سوچتا ہے' کیونکہ والدین نے بھی اس کو صحیح مقام اور دل میں جگہ نہیں دی ہوتی۔

وہ گھر میں ہونے والی مختلف باتوں' مکالموں اور مجلسوں میں ہونے والے واقعات کو دل میں بٹھا کر والدین سے بے پرواہ ہو جاتا ہے اور ضمیر کے ملامت کرنے پہ وہ ان واقعات کو اپنی بات کی دلیل کے طور پر پیش کر کے انگڑائیاں لیتے ہوئے ضمیر کو پھر سلا دیتا ہے اور دن بدن بد دل اور متنفر ہوتا رہتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو حق پہ سمجھتا ہے کہ مجھ پہ ظلم کیا گیا مجھے پہ زیادتی ہوئی ہیں' یہ جو کچھ کر رہا ہوں' اس میں میرا کوئی قصور نہیں' بلکہ میری ماں نے مجھے جنا ہی والدین کی نافرمانی کیلئے ہے۔

نوبت یہاں تک آ پہنچتی ہے کہ وہ والدین سے بالکل لاپرواہ ہو کر چارپائی پہ لیٹے مرض الموت میں مبتلا والد یا والدہ کی تیمارداری سے بھی انکار کر دیتا ہے اور جب وہ پلٹ کر نہ آنے والی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے تو وہ اجنبیوں کی طرح ان کے جنازے میں شریک ہو کر واپس لوٹ آتا ہے' لیکن اب اس کے جذبات پہلے جیسے نہیں رہے۔ وہ یکسر بدل چکا ہے۔ اب وہ حیران و پریشان ہے کہ میں نے کیا کیا۔ وہ دنیا میں والد کو ڈھونڈھتا ہے' والدہ کو تلاش کرتا ہے' لیکن وہ اسے کہیں نہیں ملتے۔ وہ حسرت و یاس سے اپنے ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔

اس کی پریشانی میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ اب اس کے ساتھ والدین کی دعائیں ہیں' نہ اللہ کی رحمت۔ وہ ہر طرف سے ناکامی و ناامیدی کا شکار ہے۔ وہ روتا ہے' مگر اس کا رونا بے فائدہ۔ وہ والدہ کی قبر پہ جا کر اسے بلاتا ہے' چیختا اور چلاتا ہے' لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملتا۔ وہ ناکام و نامراد ہے اور اعتراف گناہ کر رہا ہے کہ کاش میں ایسا نہ کرتا۔

عزیزانِ ملت! ذرا سوچئے.... آخر ایسا کیوں ہوا.....؟ اس تباہی و ہلاکت کا سبب کون بنا....؟ میرے نزدیک اس کی بنیادی وجہ والدین کی گئی تقسیم ہے کہ انہوں نے ایک بچے کو تو لائق گردانا' اسے اہمیت دی' اس پہ توجہ دی اور اس کو کاروبار میں لگایا' لیکن دوسرے کو برا بھلا کہا گیا۔ ہمیشہ اسے طعنے ملے' اسے دلبرداشتہ کیا گیا۔ اسے اہمیت ملی' نہ کوئی عزت و مقام اور اسے ردی مال سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا۔

گویا اس تقسیم و تخصیص سے سوائے خاندان کا سکون غارت ہونے اور بہن بھائیوں کے مابین عناد' دشمنی اور حسد و بغض کی فضاء قائم ہونے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا والدین کو چاہئے کہ:

☆ وہ تمام بچوں کی اچھی نشوونما اور تربیت کریں۔

☆ ان کو فطرت اسلام پہ رکھیں۔

☆ ان کے ساتھ انصاف اور برابری کا معاملہ کریں۔

☆ بچوں کی فضول تقسیم و تخصیص نہ کریں کہ یہ والدہ کا اور یہ والد کا (زیادہ لاڈلا)

☆ کسی بچے کو حقیر اور نکما سمجھ کر اس سے توجہ کم نہ کریں۔

☆ ان کی ترقی اور بھلائی کیلئے کوشش اور دعائیں کریں۔

☆ اپنے جذبات اور آراء کو دل میں ہی دبائے رکھیں اور ان کا اظہار کر کے بچوں پر منفی اثر نہ ڈالیں۔

☆ بچوں کے مابین پیار' محبت اور تعاون کی فضا قائم رکھنے کی کوشش کریں۔

☆ اگر کوئی بچہ نکما ہو بھی تو اس کو طعنے دینے' اسے مذاق و تضحیک کا نشانہ بنانے کی بجائے اس کی ترقی کیلئے سوچیں اور اس کو دلبرداشتہ کرنے کی بجائے اس میں خود اعتمادی پیدا کریں۔

لیکن! اس کے ساتھ ساتھ اولاد پر بھی یہ فرض بنتا ہے کہ اگر والدین سے یہ غلطی (تقسیم کاری کی) ہو ہی گئی ہے تو وہ والدین کو کبھی بھی نظر انداز نہ کریں۔ خواہ اس کے والدین اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں یا نہیں۔

وہ ان کے مظالم اور زیادتیوں کو دل میں بٹھانے کی بجائے ان کے احسانات کو یاد کرے کہ اس کی والدہ نے اس کی ولادت' نشوونما کیلئے کتنی تکالیف اور مصیبتیں برداشت کیں۔ اس کے والد نے اس کی خوراک و لباس کیلئے ٹھٹھرتی راتوں اور شدید گرمی کے ایام میں کیسے محنت و مزدوری کر کے اس کو پالا اور پڑھایا۔ وہ تو ان کے ایک لمحے کا بھی بدلہ نہیں چکا سکتا۔

شرک و معصیت کے علاوہ والدین کی ہر بات اور حکم سر آنکھوں پر کیونکہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ

﴿وصاحبهما في الدنيا﴾

کہ والدین اچھا سلوک کریں یا برا' وہ انصاف کریں یا غیر انصافی' وہ حوصلہ افزائی کریں یا حوصلہ شکنی' تم نے ان کے لئے نرم گوشہ اختیار کرنا ہے۔ سر تسلیم خم کرنا اور ان کی خدمت کرنی ہے۔ والدین کے ساتھ رہنا اور ان کی ہر ضرورت و حاجت پوری کرنی ہے۔ اپنے بہن بھائیوں سے اچھا سلوک کرنا ہے کیونکہ وہ تمہارے' بہن بھائی اور تمہارے والدین کی اولاد ہیں۔

ہر معاملے میں والدین سے اجازت و مشورہ لینا ہے' ان کو عزت و شرف کے مقام اور بیوی بچوں سے مقدم رکھنا ہے۔ گھر کا کنٹرول ان کو دے کر خود ان کے ماتحت رہنا ہے نہ کہ ان کو اپنے ماتحت رکھنا ہے اور ان کو ہر طرح سے راضی کرنے کی کوشش کرنی ہے' وہ نہ بھی چاہیں تب بھی ان کو ملنا ہے۔

الغرض! ان کی زندگی میں ان کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کوشش اور ان کی وفات کے بعد ان کیلئے دعائیں کرنی ہیں۔ اسی میں کامیابی و کامرانی ہے کیونکہ فیصلہ ربانی ہے کہ کامیابی کیلئے جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا لازمی ہے۔ وہاں والدین کی رضا اور خوشنودی بھی شرط ہے۔

﴿وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه وبالوالدين احسانا.....الخ﴾

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆